محاضراتِ قرآنی کی رُوداد

چار نشستوں میں
اسلام کے نظام حیات پر سیمینار

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی طرف سے ہر سال قرآنی محاضرات یعنی سیمینار کا انعقاد اب ایک روایت بن چکی ہے جسے نبھاتے ہوئے اس بار بھی ۲۵ر تا ۲۸ر مارچ شہر کے مرکزی مقام جناح ہال میں ہر روز بعد نماز مغرب چار نشستیں ہوئیں۔ اس دفعہ ان محاضرات کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اصل اہمیت مقررین یا مقالہ نگاروں کی نہیں بلکہ موضوع کی تھی۔ ہر نشست میں اسلام کے نظام حیات کے ایک پہلو پر سیر حاصل گفتگو ہوئی۔ محاضرات کا پہلا اجلاس جمعہ ۲۵ر مارچ کو انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے درویش صفت استاد شیخ وجیہہ الدین کی صدارت میں ہوا جس میں انجمن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کے افتتاحی و تعارفی خطاب کے بعد ڈاکٹر ابصار احمد (لاہور) حافظ احمد یار (لاہور)، ڈاکٹر غلام محمد (کراچی) اور میر قطب الدین علی چشتی (حیدر آباد دکن) نے قرآن کے اخلاقی وروحانی نظام پر مقالے پیش کئے۔ افسوس کہ اس روز اچانک آلینے والی طوفانی بارش نے بہت سے دوسرے شائقین کی طرح "ندا" کے وقائع نگار کو بھی اس میں شرکت سے محروم رکھا، جس کے پاس سفر کا وسیلہ موٹر سائیکل ہے۔

اگلے دن دوسری نشست میں سورۂ نور کی چند آیات کی تلاوت سے آغاز ہوا کیونکہ اس نشست کا موضوع تھا "قرآن کی سماجی و معاشرتی تعلیمات"۔ موضوع کی مناسبت سے ممتاز عالم دین جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے پہلے خطبہ استقبالیہ دیا۔ انہوں نے اپنا حاصل مطالعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ قرآن نے نظام کی نسبت ایمان پر زیادہ زور دیا ہے۔ شریعت نے عائلی قوانین کے علاوہ انہوں نے پردے کی اہمیت کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ سر سید احمد خان ایک مصلح اور روشن خیال مفکر مانے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود جب یو۔ پی کے انگریز گورنر نے ان سے یہ کہا کہ میری بیوی آپ کے اہل خانہ سے ملنا چاہتی ہے تو سر سید نے جواباً کہا کہ ہماری خواتین کو بے پردہ خواتین سے بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔ سر سید اور اقبال پردے کے نہایت سختی سے نہ صرف قائل تھے بلکہ عامل بھی تھے۔ مگر افسوس ان کے ماننے والے ان کے اس پہلو کی تقلید نہیں کرتے بلکہ تذکرہ تک نہیں کرتے۔ یہ ہمارے معاشرے اور نام نہاد مفکرین کا تضاد ہے۔ اس کے بعد مقالات کا سلسلہ شروع ہوا۔ میجر ریٹائرڈ محمد امین منہاس نے اپنے فکر انگیز مقالے میں قرآن کے معاشرتی نظام کی دلنشیں اور پراثر انداز میں تشریح کی۔ انہوں نے سورۂ فاطر کی آیات کے مطابق اپنے پاکستانی معاشرے کا ناقدانہ اور حقائق پر مبنی تجزیہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تعلیم زنا کاری ہے جو پوری قوم کو حکومتی ایوانوں سے دی جارہی ہے۔ انہوں نے روزنامہ "جنگ" کی ۲۵ر ستمبر ۸۷ء کی اشاعت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ پنجاب میں ہر چھ گھنٹے بعد کسی نہ کسی لڑکی پر مجرمانہ حملہ ہوتا ہے حالانکہ مانع حمل دوائیں جس تیزی سے منگوائی جارہی ہیں اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہر چھ منٹ بعد مجرمانہ حملہ ہوتا ہو گا۔ میجر منہاس کے چہرے اور لہجے سے اُس وقت ندامت اور تأسف کے گہرے جذبات نمایاں تھے۔ سامعین، ہمہ تن گوش تھے۔ انہوں نے ملک کے سب سے بڑے اخبار کی طرف سے پھیلائی جانے والی رنگین بے حیائی اور بے باکی کا بھی

حوالہ دیا۔ اور کہا کہ اس اعتبار سے وطن عزیز میں چالیس سالہ سفر کے دوران خاصی ترقی ہوئی ہے۔ لفظ چار دیواری کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارے صدر محترم نے بھی ایک چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اردن کی ملکہ نور سے مصافحہ کیا ہے۔ ان کی تو بات ہی کیا ہے انہوں نے میرے سامنے ایک "سیرت کانفرنس" میں ایک خاتون کو کہا تھا کہ "بی بی پردہ تو دل کا ہوتا ہے"۔ اسی لئے تو پردے کے خلاف حکومتی اشارے پر سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بحث چھیڑی جاتی ہے اور اہل زبان و قلم کو ان خدمات کے عوض باقاعدہ نوازا جاتا ہے۔ یہاں بھائی اور بہن کے مقدس رشتے کو پامال کرنے والوں کو ایوارڈ دیئے جاتے ہیں۔ ثقافت کے نام پر ہزاروں بچیاں بے سال زیور تعلیم سے آراستہ ہو کر منڈیوں میں آرہی ہیں۔ ان کی آوازوں، چالوں، قدوں اور لمبے بالوں کی قیمت لگتی ہے۔ یہ سب ذہناً اس معاشرے کے غلام ہیں جس میں ایک شخص نے اپنے ہاں چودہ سال کی کوئی کنواری لڑکی نکال کر دینے پر ہزاروں ڈالر انعام رکھا تھا۔ میجر صاحب نے اس بات کی ضرورت پر زور دیا کہ خواتین کے تعلیمی ادارے، کھیل اور دیگر مراکز بھی الگ الگ ہونے چاہئیں۔ ان کا احترام اور حقوق یہی ہیں کہ انہیں شمع محفل کی بجائے شمع خانہ بنایا جائے اور اسی میں معاشرے کی بھی فلاح اور بہتری ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اس مقالے سے قبل میجر منہاس کے تعارف میں کہا تھا کہ ان کے بیان میں تاثیر بہت ہے اور واقعی ان کی دردمندی نے دلوں پر اثر کیا۔

اس کے بعد جناب محمد رفیق چوہدری نے "احکام ستر و حجاب" کے موضوع پر اپنا علمی مقالہ پیش کیا اور ثابت کیا کہ عورت کو پورے چہرے کا پردہ کرنا چاہئے۔ کراچی سے آئے ہوئے میاں ظفر احمد صاحب نے اپنے مقالے میں مختلف رپورٹس کے حوالے سے بتایا کہ پاکستان میں ساٹھ لاکھ سے بھی زائد مسلمان بچیاں رشتوں کے انتظار میں بوڑھی ہوتی چلی جارہی ہیں۔ انہوں نے اس معاشرتی مسئلے کی سنگینی کے نتائج بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک انگریزی رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک میں ایک لاکھ ستائیس ہزار حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ لاالٰہ الا اللہ کی بنیاد پر وجود میں آنے والے معاشرے کی اس قدر بھیانک تصویر سے آنکھیں بند نہیں کی جاسکتیں۔ یہ ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ آخر میں ڈاکٹر غلام محمد (خلیفہ سید سلیمان ندویؒ) نے صدارتی کلمات میں کہا کہ ہمارے معاشرے میں جن ہولناکیوں کا اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے ان سے بچنے کا واحد علاج یہی ہے کہ ہم قرآنی تعلیمات کو حرز جاں بنائیں اور اسے اپنے عمل میں اتاریں ورنہ خدانخواستہ دوسری قوموں کی طرح ہم بھی بربادی سے نہ بچ سکیں گے۔

تیسری نشست میں جناح ہال کے نیچے پہلے کی نسبت زیادہ گاڑیاں کھڑی تھیں۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ آج شرکاء زیادہ ہیں۔ سیڑھیاں چڑھ کے اندر پہنچا تو واقعی ہال بھرا ہوا پایا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی آواز گونج رہی تھی۔ صدارتی نشست پر شیخ عبدالرؤف سابق آڈیٹر جنرل پاکستان تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد ہر نشست سے قبل موضوع سے متعلق تمہیدی گفتگو کرتے ہیں جو اپنی جگہ پر ایک دلنشیں اور پر مغز مقالے کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر محمود الحسن عارف قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے فتاویٰ کی روشنی میں اپنا مقالہ پڑھ کر سنا رہے تھے۔ مولانا محمد طاسین نے قرآن کی معاشی تعلیمات پر اجمالاً روشنی ڈالی۔ وہ مدرسہ بنوری ٹاؤن کراچی سے بطور خاص تشریف لائے تھے اور انہوں نے اس بات پر خصوصاً زور دیا کہ اسلام کے معاشی نظام کو نافذ کرنے کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ حکومت خود صحیح طور پر اسلامی ہو۔ چند جزئیات کو اپنانے اور باقی کو ویسے ہی رکھنے سے اسلام کے معاشی نظام کا تمسخر زیادہ اڑتا ہے اور اہمیت ذہنوں سے اوجھل ہوتی چلی جاتی ہے۔ انہوں نے مختلف کتب پر اپنا تبصرہ کرتے ہوئے بتایا کہ کراچی یونیورسٹی میں اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا جارہا ہے۔ اس سے بھی خاصی توقعات ہیں۔ محمود مرزا نے "اسلام کی معاشی تعلیمات" پر اپنا مقالہ پڑھ کے سنایا۔ جس کے شروع میں انہوں نے وضاحت کی کہ اس میں اسلام کے معاشی آئیڈیل کی تصویر پیش کی گئی ہے انہوں نے ملک عزیز میں انگریزوں کے قائم کردہ فیوڈل سسٹم کا

تذکرہ کیا جو آج تک اپنی مضبوط سے مضبوط تر حیثیت میں نشوونما پا رہا ہے۔ طہٰ حسین کی ایک تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے آخری عمر میں اس بات کا اعتراف فرمایا تھا کہ اگر دولت کی تقسیم میں درجہ بندیاں کرنے کے نتائج سے میں پہلے باخبر ہوتا تو امیروں سے دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔ محمود مرزا نے اپنے مقالے میں بنیادی تصورات واضح کئے کہ اسلام دولت کا ارتکاز اور فضول خرچی کو پسند نہیں کرتا۔ انہوں نے مختلف حوالوں سے دولت کی مساویانہ تقسیم پر زور دیا۔ محمود مرزا کے بعد جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ

انہوں نے بتایا کہ سرسید احمد خان ایک مصلح اور روشن خیال مفکر مانے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود جب یو۔ پی کے انگریز گورنر نے ان سے یہ کہا کہ میری بیوی آپ کے اہل خانہ سے ملنا چاہتی ہے تو سرسید نے جواباً کہا کہ ہماری خواتین کو بے پردہ خواتین سے بھی پردہ کرنے کا حکم ہے۔

اسی سٹیج سے محاضرات قرآنی کی کئی نشستوں میں میری رائے سے اختلاف بھی کیا گیا ہے اور ہم کھلے دل سے کھلے ذہن کے ساتھ دلیل کی زبان کا استقبال کرتے ہیں اور میرے خیال میں کسی حیل و حجت سے کام نہیں لینا چاہئے۔ بعد میں اس نشست کا خصوصی مقالہ "بینکنگ کے لئے سود کی متبادل اساس" کے موضوع پر اسی موضوع پر ایک کتاب کے مصنف جناب شیخ محمود احمد نے پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ چاہے کبھی مسلم ممالک میں نیکیاں فروغ پا رہی ہوں، سودی نظام کے تحت چلنے والی معیشت کی موجودگی میں تمام نیکیاں اکارت جاتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ سودی نظام روس میں بھی مغرب کی طرح قائم ہے۔ بدقسمتی سے تمام اسلامی ممالک بھی سود کے زیر اثر ہیں حالانکہ اسلام اسے استحصال کا مرکز قرار دیتا ہے۔ انہوں نے اپنے مقالے میں موضوع سے متعلقہ آٹھ سوالات اٹھائے اور ان کے جوابات مفصل طور پر دیئے۔

آخر میں صدر نشست نے اپنے صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے کہا کہ اسلام کے معاشی نظام کی بدولت ہی انسانی معاشرہ خوشحال ہو سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ پورے ایمان و یقین کے ساتھ اسے نافذ العمل کیا جائے۔

۲۸ مارچ کو "محاضرات قرآنی" کی چوتھی اور آخری نشست تھی۔ جس کا عنوان "قرآن کی سیاسی اور دستوری تعلیمات" تھا۔ صدارت چیف جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ انوار الحق نے کی۔ سورۃ الحجرات کی چند آیات تلاوت و ترجمہ کی گئیں۔ حسب روایت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صدر مرکزی انجمن خدام القرآن نے خطبہ استقبالیہ دیا۔ مجلس علمی کراچی سے آئے ہوئے مولانا محمد طاسین نے "اجتہاد کی ضرورت و اہمیت اور اس کی حدود و شرائط" کے موضوع پر سب سے پہلے اپنا مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ عہد حاضر کا مسئلہ یہ ہے کہ جن افراد کو اسلامی علوم پڑھائے جاتے ہیں انہیں جدید علوم سے بیگانہ رکھا جاتا ہے اور جنہیں جدید علوم پر دسترس حاصل ہے وہ اسلامی علوم سے بے بہرہ ہیں۔ یہی پہلو اجتہاد کی راہ میں سب سے بنیادی رکاوٹ ہے۔ دونوں علوم کے ماہر افراد ہمارے پاس آٹے میں نمک برابر بھی نہیں۔ فاضل مقالہ نگار نے اس بات کی ضرورت پر زور دیا کہ پختہ اسلامی ذہن رکھنے والے اور جدید علوم پر بھی عبور رکھنے والے ماہرین کی ایک جماعت ہونی چاہئے جو اجتہاد کا کام کرے۔ کسی بھی مسئلے پر فیصلہ کرنے میں عجلت یا جلدی سے کام نہ لیا جائے۔ آخری فیصلہ اکثریت بلکہ زیادہ مناسب ہے کہ اتفاق رائے سے ہو۔ پھر بقول اقبالؒ اس فیصلے کی توثیق وہی پارلیمنٹ کر سکتی ہے جس کے ممبران خود قرآن و حدیث کے علم سے نہ صرف واقف ہوں بلکہ عمل پیرا بھی ہوں۔ اقبالؒ کا اصل مقصود ایسی

ہی پارلیمنٹ تھی۔ ان کے پر مغز مقالے کے بعد مدیر "تکبیر" جناب صلاح الدین نے "اسلام کا سیاسی نظام" پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ انہوں نے سورۃ النساء کی آیات ۵۸ اور ۵۹ کی روشنی میں اسلام کے سیاسی نظام کی تشریح کی۔ قرآن کی رو سے انہوں مقتدر اعلیٰ، تشکیل حکومت، تقسیم اختیارات، عدل وانصاف اور نظام کار کی وضاحت کی۔ انہوں نے کہا کہ تاریخ اسلامی میں خلافت کے لئے لوگوں سے رائے لینا لازمی امر ہے۔ جن مسلمان حکمرانوں نے لوگوں کی مرضی کے بغیر حکومت کی انہیں "خلیفہ" نہیں کہا جاتا۔ حالانکہ کئی خود اپنے ہاتھوں سے ٹوپیاں سی کر رزق حلال کماتے تھے۔ انہوں نے خلفائے راشدہ کی مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ پیش رو کے تقرر کے باوجود بدلتے حالات کی وجہ سے رائے لینا ضروری سمجھا گیا۔ جبکہ ہمارے ملک کا ایک حصہ کٹ جانے کے بعد دوبارہ رائے لینا ضروری نہ سمجھا گیا۔ صلاح الدین صاحب کی پُراثر گفتگو کے بعد حافظ محمد موسیٰ بھٹو نے سندھ کی صورت حال کے حوالے سے گفتگو کی۔ انہوں نے وہاں کی نیشنلسٹ تحریک کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ گذشتہ چالیس سال کے دوران کسی بھی صوبے میں آج تک ایسی کوئی نظریاتی تحریک نہیں اٹھی۔ گذشتہ آٹھ دس سال سے وہاں بڑے پیمانے پر ایک لاکھ کتابیں یومیہ شائع ہو رہی ہیں۔ ہندو اور اشتراکی لٹریچر وہاں کے نوجوان ذہنوں کو مسموم کرتا چلا جا رہا ہے۔ ان کے بقول اسلام کا وہاں کوئی بھی مؤثر اشاعتی ادارہ آج تک قائم نہیں ہوا۔ انہوں نے سندھ کی تاریخ سے حاضرین کو روشناس کروایا اور بتایا کہ سندھ کے مسلمان اسلام اور اہل اسلام کے لئے شروع سے ہی درد دل رکھتے ہیں مگر وہاں کے استحصالی طبقوں نے صورت حال کو آج بھیانک موڑ پر پہنچادیا ہے۔ آج وہاں راجہ داہر کو نجات دہندہ اور ہیرو سمجھا جاتا ہے اور علیحدگی کے لئے کھلّم کھلا سازشیں ہو رہی ہیں اور وہاں کی نا اہل حکومت اس صوبے کی علیحدگی پسند قوتوں کے ہاتھ مضبوط کرتی چلی جا رہی ہے اور وحدت کی علامت سیاسی جماعتیں اس صورت حال سے پریشان ہیں۔ حافظ موسیٰ بھٹو صاحب کی تقریر میں خاصی چونکا دینے والی باتیں شامل تھیں۔

ان کی گفتگو کے بعد ڈاکٹر ظہور احمد اظہر اور میاں ظفر احمد نے عربی زبان کی اہمیت وافادیت کے بارے میں تقاریر کیں اور اسے اپنی قومی زبان بنانے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ آخر میں جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ انوار الحق نے صدارتی کلمات سے نوازا اور مختلف موضوعات پر ہونے والی تقریروں اور تحریروں کو پسند کیا اور ان کی عملی افادیت پر زور دیا۔ یوں سالانہ محاضرات قرآنی کی آخری نشست کا رات گئے اختتام ہوا۔ وہاں سے آتے ہوئے یہ احساس پوری تقویت کے ساتھ ہوا کہ ان نشستوں میں علمی حوالے سے سامعین کو بہت کچھ حاصل ہوا ہے۔

(بشکریہ ہفت روزہ "ندا" لاہور)

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ